وادئ سندھ کے لوگوں کا اصل مذہب!

وادئ سندھ کی قبریں قبلہ رخ ہیں

مرکزی بت احرام کے مماثل لباس میں ملبوس ہے

وادئ سندھ کے لوگوں کا مذہب کیا تھا؟ اس عظیم الشان تہذیب کے وارث کسی الہامی مذہب کے پیروکار تھے یا ان کا مذہب خودساختہ یا تحریف شدہ تھا ایک دلچسپ موضوع ہے لیکن اس دلچسپ موضوع پر سے اگر تاریخ کی گرد ہٹا دی جائے اور مذہب کے بارے میں کوئی واضح شہادت مل سکے تو موئن جودڑو کی مہروں کو پڑھنا بہت آسان ہو جائے گا۔ کیوں کہ مذہبی زبان، مذہبی کتابیں اور مذہبی علامات بہت سے عقدے حل کرسکتی ہیں۔ مذہبی نقطۂ نظر سے وادئ سندھ کی تہذیب کی تفہیم کے سلسلے میں بہت زیادہ کام نہیں ہوا۔

سب سے پہلے سر الیگزنڈر کننگھم، ڈاکٹر کے پی جیسوال اور رائے بہادر بشن سروپ نے براہمی حروف کی مدد سے موئن جودڑو کی مہروں اور تصویری نشانات کو سنسکرت میں پڑھنے کی کوشش کی۔ ان کا دعویٰ تھا کہ براہمی حروف اور اس کا رسم الخط براہِ راست وادئ سندھ کی لکھائی سے ماخوذ ہے۔ اس طرح سنسکرت زبان کا وادئ سندھ کی تہذیب سے خاص تعلق قائم کیا گیا جس کا فطری نتیجہ یہی تھا کہ اس تہذیب کا تعلق ہندومت سے جوڑ دیا جائے۔ فادر ہیراس (Father Rev. H. Heras) نے اپنی کتاب Studies in Proto Indo-Mediterranean Culture (Bombay 1953) میں ثابت کیا کہ مہروں کی اصل زبان دراوڑی دور سے پہلے کی زبان (Proto-Dravidian) ہے اور اسی سے ہندوستان کی تمام دراوڑی زبانیں نکلی ہیں۔ آریاؤں کی آمد کے بعد دراوڑیوں نے ہندومت اختیار کرلیا تھا لہٰذا اس نقطہ نظر سے بھی وادئ سندھ کے لوگوں کا تعلق ہندودھرم سے قائم کیا جاسکتا ہے۔

بنارس ہندو یونیورسٹی کے محقق اور مشہور ماہرِ آثار قدیمہ ڈاکٹر پران ناتھ نے اپنے دو مضامین میں جو Indian Historical Quarterly Vol.VII & VIII (Calcutta 1931-32) اور روزنامہ پائنیر Pioneer (Lucknow 1957), Feb. 03, 10, 17, 24, March 03, 10, 17, 24, اور April 07 میں شائع ہوئے۔ وادیٔ سندھ کے لوگوں کو ہندومت سے وابستہ قرار دیا۔ ان کے دو معرکہ آراء مضامین کے عنوانات درج ذیل ہیں:

1- The Scripts on the Indus valley seals. (Quarterly)

2- Decipherment of Mohenjodaro and Harappa Inscriptions. (Pioneer)

ان مضامین میں وادیٔ سندھ کی تہذیب کو ہندو تہذیب ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ ان کی تحقیقات کا خلاصہ درجِ ذیل ہے:

۱۔ وادیٔ سندھ کا رسم الخط ''الف بائی'' ہے۔ اس کے حروف کا علم سندھی نشانات کا تجزیہ کرنے سے حاصل ہوتا ہے جو براہمی حروف سے مشابہت رکھتے ہیں۔

۲۔ مہروں پر دیوی اور دیوتاؤں کے نام پائے جاتے ہیں۔

۳۔ بعض دیوی دیوتاؤں کا تعلق سومیری قوم سے ہے اور بعض ہندوستان کی ''پورانک'' روایات اور تانترک مذہب سے تعلق رکھتے ہیں۔

۴۔ ہڑپہ موئن جودڑو کے تین بڑے راجا تھے: شورسین، نر اور ہری۔

۵۔ ہندوستانی روایات میں انھیں سوراشٹر (گجرات) کے راجا ظاہر کیا گیا ہے۔

۶۔ ان راجاؤں کا زمانہ دو ہزار سات سو پچاس قبل مسیح تھا۔ ان کی زبردست حکومت ہندوستان سے لے کر بحیرہ روم کے ساحل تک پھیلی تھی۔

۷۔ بعض مہروں پر ''شِو جی''، ''گوشنکر'' لکھا ہوا ملتا ہے اور بعض پر سومیریہ کے کش (Kish) اور مشہور حکمران سارگون کے نام پائے جاتے ہیں۔

۸۔ ہندوستانی روایات کا ''شورسین'' ہی عراق میں سارگون کہلاتا تھا۔

۹۔ سومیری لوگ آریہ تھے اور سارگون بھی آریہ تھا۔ وادیٔ سندھ کے خط کا تعلق ان علامات سے ہے جو جنوبی ہند کے مٹی کے تابوتوں پر پائی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر پران ناتھ کا یہ دعویٰ کہ سومیری لوگ آریہ تھے اور سارگون (شورسین) آریہ تھا، عجیب و غریب ہے۔ یہ دعویٰ خود اپنی تردید ہے۔ شورسین سنسکرت کا لفظ ہے اور یہ وہ گروہ ہے جو کمتر ذات سے تعلق رکھتا تھا اور اشور قوم کے ساتھ مل کر دیوؤں سے جنگیں کیا کرتا تھا۔ ہندومت میں سب سے کم تر طبقہ شودر (اکشودر) ہے۔ یہ سنسکرت کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی ''لاوجود'' (Non-existent) کے ہیں۔ یعنی ایسی چیز جس کی کوئی حقیقت نہ ہو، یا اس کی کوئی حیثیت نہ ہو یا اس کا کوئی وجود نہ ہو، اسی وجہ سے کائنات جہاں کچھ بھی نہ ہو اس کے لیے بھی سنسکرت کا یہی لفظ ''اکشونیہ'' استعمال کیا جاتا ہے اور ''اکشونیہ'' لفظ صفر کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ شورسین قوم ہندوستان میں تو اتنی ذلیل وحقیر ہے کہ اگر اس کے کان میں ویدوں کے اشلوک چلے جائیں تو آریہ یا براہمن ان کے کانوں میں پگھلا ہوا سیسہ ڈال دیتے ہیں اور اگر اشرافیہ کے کسی کنویں سے یہ لوگ پانی پی لیں تو وہ کنواں ناپاک ہو جاتا ہے اور اگر برہمن کو چھو لیں تو اذیت ناک سزا کے مستحق ہوتے ہیں۔

لیکن یہی نیچ، کمتر، حقیر وفقیر ''شورسین'' دنیا کی عظیم الشان تہذیب کے شہر کش کی تخت نشینی کے وارث قرار پاتے ہیں۔ آریہ (سنسکرت زبان بولنے والے) شورسینی زبان کو پراکرت یا وِبھاشا کا درجہ دے کر حقارت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ یہ اپنی زبان کو سنسکرت کہتے ہیں جس کا مطلب ہے ''تہذیب یافتہ''۔ پراکرت اور وِبھاشا سنسکرت کے لفظ ہیں جس کے معنی ''قدرتی'' یا ''خودرو'' اور وِبھاشا کے معنی ''نہیں زبان'' کے ہیں۔ اسی طرح دیگر مقامی زبانوں کو بھی جو غیر سنسکرت تھیں، یا آریاؤں کی زبانیں نہ تھیں، انھیں ناگ بانی، ناگ بھاشا اور اشور بھاشا کہا جاتا تھا۔ جس کا مطلب سنسکرت زبان میں ناگوں کی زبان یا اشور (خراب) لوگوں کی زبان ہے۔ دنیا میں کوئی ایسا مذہب اور کوئی ایسی الہامی تہذیب نہیں ہے جہاں نہ صرف یہ کہ دوسروں کو ذلیل سمجھا جائے۔ انسانوں کو طبقات میں تقسیم کیا جائے۔ ان کی زبانوں کو زبان ماننے سے انکار کر دیا جائے اور اسے سانپوں کی زبان کہا جائے بلکہ علی الاعلان اس کا اعتراف بھی کیا جائے نہ صرف غیر مذہب اور غیر زبان کے لوگوں سے حقارت آمیز رویہ رکھا جائے بلکہ اپنے ہم مذہب لوگوں کو بھی شودر اور شورسین سمجھا اور کہا جائے۔

سنسکرت زبان والوں اور ہندو مذہب کے پیروکاروں کا دوسری زبانوں سے تحقیر آمیز رویہ تاریخ میں

اپنی نوعیت کا پہلا رویہ نہیں، مختلف اقوام تاریخی طور پر ان رویوں کا شکار ہو چکے ہیں مثلاً یہودی اپنے آپ کو ’اللہ کی محبوب ترین قوم ظاہر کرتے ہیں، اور اسی بنیاد پر نجات اور جنت کا حقدار صرف اپنے آپ کو سمجھتے ہیں، اسی رویے کے نتیجے میں ان کے یہاں نسل پرستی پیدا ہوئی تا کہ خدا سے محبت، آخرت میں کامیابی اور جنت کا حصول صرف اور صرف ان کی قوم کے لیے خاص ہو جائے۔ لہٰذا ان کے یہاں تبلیغ کا کوئی تصور نہیں، جو یہودی نسل میں پیدائش سے محروم رہا وہ دائمی طور پر جنت سے بھی محروم رہے گا۔ اسی نسل پرستی کی بنیاد پر وہ اپنے آپ کو اللہ کے پسندیدہ اور چیدہ بندے سمجھتے تھے اور نسل یہود کے لیے جنت کی خوشبو لازمی قرار دیتے تھے۔ قرآن نے اسی نسل پرستی کی مذمت کی اور فرمایا ’’اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کیوں نہیں کرتے‘‘۔ وجہ یہ ہے کہ ’اللہ کی یہ محبوب قوم‘ اپنے ادعاء کے باوجود موت سے بہت ڈرتی تھی کیونکہ سود خوری مال سے محبت موت سے نفرت کا سبب تھا۔ جب کہ موت قرب الٰہی کا ذریعہ ہے پھر اپنے محبوب حقیقی سے دوری کے کیا معنی۔ قرآن نے اپنے معجزانہ اسلوب میں یہود کی سود خوری اور دنیا داری پر زبردست طنز کیا ہے۔

اہل عرب بھی رسول اکرمؐ کی آمد سے قبل پوری دنیا کو عجم یعنی گونگا کہتے تھے اور دنیا کی تمام زبانوں کو اسی حقارت سے دیکھتے تھے جس حقارت سے سنسکرت زبان والے دوسری زبانوں کو دیکھتے اور پکارتے تھے لیکن رسول اکرمؐ نے خطبہ حجتہ الوداع میں اہل عرب کے اس ادعاء اور قومی افتخار کو ریزہ ریزہ کر دیا جب آپؐ نے یہ فرمایا کہ کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر کوئی فوقیت حاصل نہیں۔ اللہ کے نزدیک وہی بہتر ہے جو تقویٰ میں سب سے بہتر ہے۔

ڈاکٹر پران ناتھ کا دعویٰ کہ ہندو مت وادیٔ سندھ کا دھرم تھا اہمیت کا حامل ہے خصوصاً انھوں نے گجرات کے ہندو راجاؤں کی حکومت کا ذکر کیا ہے یہ ایک تاریخی حکومت تھی۔ گجرات میں صنعت و حرفت کی عالی شان ترقی کے بارے میں تاریخ تفصیل سے بیان کرتی ہے۔ گجرات کی تاریخ اکتشافات، ایجادات و کمالات کی تاریخ ہے حتیٰ کہ وہاں مغل دور اور اس سے پہلے بھی کاغذ کی صنعت کے شواہد ملتے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس خطے پر کسی زبردست تہذیب کا سایہ ماضی میں رہا ہے۔ یہ سایہ وادیٔ سندھ کی تہذیب کے سوا کوئی اور سایہ نہیں ہوسکتا۔ لیکن مولانا ابوالجلالؒ ندوی اس تہذیب کو مذہبِ ابراہیمؑ سے ملاتے ہیں۔ اور ڈاکٹر پران ناتھ اسے ہندو مذہب کا مظہر قرار دیتے ہیں۔ ہڑپہ وموئن جودڑو سے ایک عالی شان مجسمہ بھی دریافت ہوا ہے جس نے احرام کی طرح کا لباس زیب تن کر رکھا ہے جو ابراہیمی مذہب کی یادگار ہے اور مسلمان آج بھی سنتِ ابراہیمی کی پیروی میں حج و عمرے کے دوران احرام یعنی غیر سلا کپڑا ملبوس کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ لیکن سوال یہ ہے کہ مذہبِ ابراہیمی کا لباس

حج وعمرہ احرام پہننے والا مجسمہ سازی اور بت گری کیسے کرسکتا ہے؟ حضرت ابراہیمؑ نے تو آذر ونمرود کے بتوں کو ریزہ ریزہ کردیا تھا۔

ابوالجلالؒ ندوی کا یہ دعویٰ درست ہوسکتا ہے کہ ہڑپہ وموئن جوڈرو والے حضرت ابراہیمؑ کی ملت میں شامل تھے لیکن یہ ممکن ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ان میں شرک کے آثار پیدا ہوگئے ہوں جس طرح کہ بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰؑ اور حضرت ہارونؑ کی موجودگی کے باوجود گوسالہ پرستی کا مرض بڑی شدت سے پیدا ہوا اور انبیاء کی رحلت کے بعد بنی اسرائیل میں دیگر امراض مثلاً قوم پرستی نسل پرستی بھی مذہبی رویہ بن گئے۔ لہٰذا اس بات پر تحقیق کی ضرورت ہے کہ ہڑپہ وموئن جوڈرو میں آباد ملت ابراہیمی کے لوگوں نے توحید سے شرک کا سفر کب شروع کیا اور اس شرک کو مجسمے اور بت کی صورت اختیار کرنے کے باوجود وادیٔ سندھ کے لوگوں نے حضرت ابراہیمؑ کے لباس ''احرام'' کو ترک کیوں نہیں کیا؟ ہڑپہ، موئن جوڈرو، کوٹ ڈیجی، ڈیرہ اسماعیل خان، چولستان اور مہرگڑھ کی کھدائیوں سے ابھی تک کوئی مندر برآمد نہیں ہوا۔ لہٰذا سوال یہ ہے کہ مندروں کے بغیر وادیٔ سندھ کی تہذیب کا تعلق ہندومت سے کیسے جوڑ دیا جائے؟ البتہ موئن جوڈرو میں ایسا کمرہ دریافت ہوا ہے جس کے بارے میں خیال ظاہر کیا گیا ہے کہ یہ عبادت کے لیے استعمال ہوتا تھا۔ اس لیے ڈاکٹر پران کے دعویٰ کی تحقیق مختلف پہلوؤں سے ضروری ہے۔

تاریخ بتاتی ہے اور قرآنِ کریم کی امثال اس کی تصدیق بھی کرتی ہیں کہ مشرکانہ افکار رکھنے والی قوموں اور ان کے بعض طبقات میں بھی توحید کی کچھ نہ کچھ علامتیں باقی رہتی ہیں۔ نیز یہ کہ پیغمبروں کے پیروکاروں میں بھی الہامی کتابوں میں تحریف کے بعد شرک کے زبردست آثار ومظاہر پیدا ہوجاتے ہیں۔ یہودیوں اور عیسائیوں کی تاریخ اس سلسلے میں تفصیلات بیان کرتی ہیں، لہٰذا ڈاکٹر پران ناتھ کا دعویٰ درست بھی ہو تب بھی ابوالجلالؒ ندوی کا یہ دعویٰ بھی بالکل درست ہے کہ وادیٔ سندھ کے لوگ ملتِ ابراہیمی سے تعلق رکھتے تھے۔ ابوالجلالؒ کے پہلے دعویٰ کا تعلق اسلام کے دور سے ہے اور دوسرے دعویٰ کا تعلق جو ہندومت سے متعلق ڈاکٹر ناتھ کا ہے لازماً شرک کے دور سے ہے لہٰذا دونوں دعووں میں مطابقت تلاش کی جاسکتی ہے اور یہی اس مسئلے کا مناسب حل ہے۔

مولانا ابوالجلالؒ ندوی نے اپنے مضمون ''فن کتابت'' میں یہ موقف اختیار کیا ہے کہ مہروں کو پڑھنے سے معلوم ہوجائے گا کہ وادیٔ سندھ کے قدیم باشندے عربوں کے ہم نسل اور ہم زبان تھے۔ وہ نہ دراوڑی تھے اور نہ ہی پروٹو انڈو یورپین تھے۔ قدمائے سندھ دیس تھا عربوں کا جو کہ اپنے زمانے میں ماروت کہلاتے تھے۔ جنوبی عرب، جنوبی عراق، جنوبی فارس، بلوچستان، سندھ، پنجاب اور ایک حصہ راجستھان کا

۲۰۰۰ء تا ۳۰۰۰ء قبل مسیح قوم ماروت کا دیس تھا جہاں عربی جیسی زبان بولی اور لکھی جاتی تھی۔ یہاں کے باشندے ''ادیوا'' تھے یعنی کسی نبی یا دیوتا کے قائل نہ تھے۔ وہ الا اللہ کے بغیر یا الا اللہ کے ساتھ لا الہ کے قائل تھے۔ (جریدہ شمارہ ۲۳ صفحہ ۱۰۲)

دوسری جانب مولانا ابوالجلالؒ ندوی کا ایک مختلف موقف جو جریدے کے شمارہ ۲۳ صفحہ ۴۵ پر ''ابوالجلالؒ آثار وافکار'' کے زیرعنوان شامل ہے۔ اس کے مطابق ''سندھ کی قدیم قبریں قبلہ رخ ہیں۔ بلوچستان میں ہرونامی پہاڑی پر ایک نقش بنا ہوا ہے اس نقش کے بالکل سامنے ایک قبر ہے جو اس لیے نہیں کھودی گئی کہ یہ مسلمان کی قبر ہے۔ قدیم زمانے کی جتنی قبریں ملی ہیں وہ سب مسلمانوں جیسی ہیں۔ ان کا رخ کعبے کی جانب ہے یہاں کے لوگ ملت ابراہیمی کے قائل تھے۔ ہم نے ایک مہر میں ''حنفہ'' ایک شخص کا نام پڑھا ہے۔ ان لوگوں کا عقیدہ تحریر ہی سے نہیں بلکہ بنی ہوئی تصویر سے بھی ثابت ہوا''۔

مولانا ابوالجلالؒ کے ان دونوں بیانات میں ہمیں کوئی تضاد محسوس نہیں ہوتا چوں کہ تاریخ اس طرح کے معاملات میں تطابق کی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے۔ وادیٔ سندھ کی تہذیب حضرت ابراہیمؑ کی آمد سے پہلے کی تہذیب تھی اور حضرت ابراہیمؑ کی آمد سے پہلے بھی انبیاء کی آمد کا سلسلہ کائنات میں جاری و ساری رہا۔ ممکن ہے کہ سندھ کی طرف کوئی پیغمبر تشریف نہ لائے ہوں لیکن پیغمبروں کی تعلیمات کے اثرات جس طرح حضورؐ کی آمد سے پہلے مشرکین عرب کے کچھ طبقات میں اور اہل کتاب میں موجود تھے اسی طرح وادیٔ سندھ کے لوگوں میں بھی وحدانیت کے افکار وعقائد یقیناً موجود رہے ہوں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اولاد ابراہیمؑ کی اسماعیلی شاخ میں ڈھائی ہزار سال کے بعد تشریف لائے اس طویل مدت میں عرب کے لوگ مشرک بھی ہوئے اور جو اہل کتاب تھے وہ بھی شرک کی آمیزش سے بچ نہ سکے لیکن سیرت النبیؐ کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ حضورؐ کے اعلان نبوت سے قبل مکہ مکرمہ میں ایسے بہت لوگ تھے جو شرک اور بت پرستی سے بھی بے زار تھے اور اہل کتاب کے محروف دین سے بھی دل برداشتہ تھے۔ یہ لوگ صحراؤں میں جا کر اللہ کو پکارتے تھے اور شرک اور بت پرستی کی تمام روایتوں سے بے زاری کا اظہار کرتے تھے۔۔ حضورؐ نے ان کو حنفاء کہا۔ اس مثال کو سامنے رکھتے ہوئے ہم مولانا ابوالجلالؒ ندوی کے اس تحقیق وتجزیہ پر آتے ہیں کہ یہاں کے باشندے ''ادیوا'' تھے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ کسی دیوتا کو مانتے نہ تھے اور کسی نبی کے قائل اس لیے نہیں تھے کہ کوئی نبی ان کے یہاں نہیں آیا تھا اس کے باوجود وہ اللہ کی وحدانیت کے قائل تھے، جس طرح حضورؐ اکرم کے اعلان نبوت سے پہلے عرب میں حنفاء کا طبقہ موجود تھا جو حضرت ابراہیمؑ کے دین حنیف سے وابستہ تھے۔

لیکن حضرت ابراہیمؑ کی آمد کے بعد وادیٔ سندھ کے ادیوا باشندوں نے جو توحید کے علمبردار اور شرک سے آلودہ نہ تھے انھوں نے حضرت ابراہیمؑ کے دین حنیف کو اختیار کرلیا ہوگا۔ اس تطبیق سے ہماری رائے میں مولانا کی دونوں تحقیقات میں کوئی تضاد باقی نہیں رہتا۔

جہاں تک ڈاکٹر ناتھ کے دعویٰ کا تعلق ہے اس کی توجیہہ بھی یہ ہوسکتی ہے کہ ''ادیوا'' نے پہلے دین حنیف اختیار کیا یا دین حنیف سے پہلے ہندومت اختیار کیا لیکن ان کا زوال اسی لیے ہوا کہ وہ اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنے لگے تھے۔

ہڑپہ اور موئن جوڈرو کی کھدائی کے دوران ایک ایسے بڑے مکان کا نشان ضرور ملتا ہے جس کو کہا جاسکتا ہے کہ وہ مرکزی عبادت گاہ ہوگی۔ لیکن یہ نہیں کہا جاسکتا کہ موئن جوڈرو کی گلی کوچوں میں مندر یا معبد خانے ہوں گے کیوں کہ ایسی عمارتوں کی نشان دہی اب تک نہیں ہوسکی۔

وادیٔ سندھ سے برآمد ہونے والی مہروں پر کندہ نشانات کی تعداد مختلف ماہرینِ آثارِ قدیمہ نے مختلف بتائی ہے اور اپنے ذاتی مشاہدات، تاثرات اور تجربات کے مطابق ان نقوش کی تعداد ہر ماہرینِ آثار قدیمہ کے یہاں مختلف ہے۔

جی آر ہنٹر (G.R. Hunter) نے اپنی کتاب The Script of Harappa and Mohenjodaro and its connection with other scripts (London 1934) میں ان نقوش کی تعداد ۲۵۳ ظاہر کی۔

اسٹوارٹ پیگاٹ (Piggot) نے اپنی کتاب Pre-Historic India (Pelican Series 1950) میں نقوش کی تعداد چار سو بیان کی ہے اس کے برعکس پروفیسر اسٹیفن لینگڈن نے ۲۸۸، سی جے گیڈ اور سڈنی اسمتھ نے ۳۹۶ بتائی۔

آسکر پرپولا نے دو ہزار نقوش پڑھنے کا دعویٰ کیا ہے۔

سرجان مارشل نے اپنی کتاب Mohenjodaro and the Indus Civilization Vol.III (London 1931) میں موئن جوڈرو کی ۵۰۰ مہروں کی تصاویر شائع کیں۔

مادھو سروپ وتس نے اپنی کتاب Excavation at Harappa Vol.II (Calcutta 1940) میں ہڑپہ کی تقریباً ۹۰۰ مہروں کے نقوش سے بحث کی۔ ایک اور ہندوستانی محقق نے

وتس اور مارشل کی ۱۴۰۰ مہروں کے مطالعے کے بعد یہ نتیجہ اخذ کیا کہ وادیٔ سندھ کے رسم الخط میں کام آنے والے نشانات کی تعداد تقریباً ۵۰۷ ہے۔ بعض محققین کے مطابق ان نشانات میں بیش تر ایک ہی نشان کی بدلی ہوئی صورتیں ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ وادیٔ سندھ کے رسم الخط پر مشتمل کوئی کتبہ ماہرینِ آثار قدیمہ کو دستیاب نہیں ہوسکا۔ کچھ ماہرین کی رائے ہے کہ یہ نقوش براہمی اور دیوناگری کی ماتروں (اعراب) کے مماثل ہیں لیکن یہ محض بیان ہے، اس کے لیے نقوش سے کوئی استدلال نہیں کیا گیا۔ دنیا میں جتنے بھی رسم الخط پائے جاتے ہیں وہ عموماً دائیں سے بائیں یا بائیں سے دائیں لکھے جاتے ہیں یا چینی اور جاپانی خط جو اوپر سے نیچے لکھے جاتے ہیں، لیکن موئن جوڈرو سے برآمد ہونے والی مہروں میں رسم الخط عموماً دائیں سے بائیں لکھا گیا ہے۔ لیکن ایسی مہریں بھی ملی ہیں جن پر خط بائیں سے دائیں لکھا گیا ہے اور بعض مہروں پر دونوں طرف سے تحریر لکھی گئی ہے یعنی ایک لکیر دائیں سے بائیں کو اور دوسری بائیں سے دائیں کو۔ اس طرزِ نگارش کو A.S.C Ross نے اپنی کتاب The Numeral-Signs of the Mohejodero Script میں (Rous Trophedon) کہا ہے اور یہ یونانی کا لفظ ہے جس کے معنی Ross کے مطابق ''جیسے بیل ہل چلاتا ہے'' ہیں۔ ہیروغلافی رسم الخط کو اس رخ پڑھا جاتا تھا جس رخ پر تصویریں کندہ کی جاتی تھیں۔ اس لیے بعض ماہرینِ آثار قدیمہ کی رائے میں موئن جوڈرو کا خط ہیروغلافی، سومیری رسم الخط سے مماثل ہے۔ لہٰذا موئن جوڈرو کی مہروں پر کندہ تصویر کی عبارت اسی رخ سے پڑھی جانی چاہیے جس رخ پر تصویر ہے۔ بعض اور ماہرین نے اس خط کی مماثلت اس دور میں پائے جانے والے دیگر رسم الخط سے ثابت کرنے کی کوشش بھی کی، کسی نے اسے Proto-Dravidion قبل از دراوڑی رسم الخط قرار دیا۔ اگر ان تمام بیانات کو درست تسلیم کرلیا جائے تو یہ بات نمایاں ہوتی ہے کہ وادیٔ سندھ کا رسم الخط اس عہد کے تمام رسم الخط کا مخزن بن گیا تھا اور اس عہد میں موجود تمام رسوم الخطوط کا احاطہ کررہا تھا تاکہ دنیا میں موجود تمام زبانیں پڑھنے والے اس خط سے استفادہ کرسکیں۔ سندھ کی تجارتی اشیاء دور دور تک جاتی تھیں لہٰذا وادیٔ سندھ کے خط کو دائیں خط والے، بائیں خط والے اور تصویروں کے خط والے بھی پڑھ سکتے ہوں گے۔ ماہرین کے مطابق وادیٔ سندھ کا رسم الخط ایلم، موجودہ خوزستان یا جنوبی ایران کے رسم الخط سے زیادہ مشابہہ تھا۔ اس خط (سندھی) کی سومیری رسم الخط سے بھی کچھ نہ کچھ مماثلت ہے لیکن وادیٔ سندھ کی مہروں پر پائی جانے والی انسانی تصاویر، سومیری اور ایلمی تصاویر سے بالکل مختلف ہیں اور ماہرین کے مطابق ان تصاویر کی بناوٹ کا اسلوب مصری ہیروغلافی خط سے ملتا جلتا ہے۔ بعض ماہرین نے وادیٔ سندھ کے رسم الخط اور کریٹ (Crete) کے رسم الخط میں مماثلت ظاہر کی ہے۔ مشہور ماہرِ آثارِ قدیمہ B.Hrozny نے اپنی کتاب Ancient History of Western Asia, India and Crete (Prague,

(Czechoslovakia) میں اپنی تحقیقات کا رخ اس سمت مرکوز کیا ہے کہ ہڑپہ کی مہروں پر پائے جانے والے نشانات اور حتی (Hittite) قوم کے تصویری رسم الخط کے درمیان کافی مشابہت تلاش کی جاسکتی ہے۔ پروفیسر لینگڈن نے اشوک کے زمانے کے براہمی رسم الخط کو سندھی رسم الخط سے ماخوذ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ وادیٔ سندھ کے رسم الخط میں اس دور کے تمام اہم رسم الخط سے پائی جانے والی مماثلت، مشابہت اور مطابقت ایک حیرت انگیز بات ہے جس پر تحقیق کی ضرورت ہے۔ ہماری رائے میں وادیٔ سندھ کا رسم الخط انتہائی زرخیز اور گہرا رسم الخط تھا جس کے اندر یہ صلاحیت موجود تھی کہ وہ اس عہد کے تمام مروجہ رسم الخط کو اپنے دامن میں سمو کر ایک ایسا رسم الخط پیش کرنے کے قابل ہوا جو دنیا کی تمام اقوام کے لیے قابل فہم تھا۔ اس لیے مولانا ابوالجلالؒ کا یہ دعویٰ قرین قیاس نظر آتا ہے کہ دنیا کے تمام رسم الخط وادیٔ سندھ کے رسم الخط سے برآمد ہوئے اور دنیا کی تمام تر زبانوں کے حروفِ تہجی کا سلسلہ آخر کار وادیٔ سندھ پر جاکر مل جاتا ہے۔ وادیٔ سندھ کی زبان عربی کی ابتدائی شکل تھی اور عربی زبان ہی دنیا کی فطری زبان ہے۔

وادیٔ سندھ کے رسم الخط کی بحث میں ایک دلچسپ اور منفرد نقطۂ نظر ڈاکٹر ہنٹر کا ہے۔ ڈاکٹر ہنٹر نے وادیٔ سندھ کے رسم الخط میں پانے جانے والے نشانات کا جنوبی عرب کے حمیری اور سبائی خط، فنیقی خط اور قبرصی خط سے گہرا تقابل کرنے کے بعد یہ ثابت کرنے کی کوشش کی تھی کہ ان تمام خطوط کا منبع اور ماخذ وادیٔ سندھ کا رسم الخط ہے لیکن اس نظریے کو محض اس بنیاد پر مسترد کرنے کی کوشش کی گئی کہ سندھ کی لکھائی سبائی اور فنیقی رسم الخط کے وجود میں آنے سے کم از کم دو ہزار سال پہلے فنا ہو چکی تھی لیکن یہ استدلال ہمارے لیے قابلِ قبول نہیں ہے کیوں کہ سنسکرت زبان جو دنیا کی اعلیٰ ترین زبان سمجھی جاتی ہے اس کا اپنا کوئی رسم الخط نہیں تھا اور اس نے دراوڑیوں کے رسم الخط ''گرنتھا'' کو اختیار کیا۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ دراوڑی، آریاؤں کے ہاتھوں ذلت، رسوائی، تباہی و بربادی کا عذاب سہنے کے بعد دور دراز خطوں اور پہاڑوں میں روپوش ہوگئے۔ ان کی زبان کا کوئی کتبہ مخطوطہ یا آثار یا مہریں دستیاب نہیں اس کے باوجود ان کا رسم الخط محفوظ رہا اور ان کا رسم الخط آریاؤں کو سنسکرت کے لیے اختیار کرنا پڑا۔ سنسکرت زبان کی قواعد موجود ہے۔ اس کی لغت بھی دستیاب ہے مگر اس کے بولنے والے ختم ہو چکے ہیں۔ دراوڑیوں کی نسل ابھی تک موجود ہے لیکن ان کے اصول وقواعد زبان ولغت کے منتشر اجزاء تو مل جاتے ہیں لیکن سنسکرت کی طرح منظّم اور مربوط صورت میں نہیں ملتے۔ لہٰذا کسی تہذیب کے فنا ہو جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ اس تہذیب سے متعلق ہر چیز فنا ہو چکی ہو۔ فنا مقامی ہوتی ہے مثلاً ہڑپہ اور موئن جو دڑو پر عذابِ الٰہی نازل ہوا اور قرآن کی زبان میں ''بستیوں کو الٹ دیا گیا تلپٹ کر دیا گیا'' لیکن ان بستیوں سے اٹھنے والی تہذیب، جنم لینے والی زبان، برآمد

کی جانے والی مصنوعات اس تہذیب کی خصوصیات اور کمالات کو لے کر دنیا کے تمام خطوں میں پہنچ چکی تھیں اور وہاں پر وہ تمام چیزیں محفوظ رہیں کیوں کہ عرب عجم کی ان تہذیبوں پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوا اور وہاں کی بستیاں تباہی و بربادی سے محفوظ رہیں لہٰذا انھوں نے وادیٔ سندھ کی تہذیب کے بہت سے نشانات کو لازماً محفوظ رکھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ ۱۹ ویں صدی میں جب عراق میں بڑے پیمانے پر آثار قدیمہ کی کھدائی ہوئی تو وادیٔ سندھ کی مہریں اور نشانات وہاں سے برآمد ہوئے۔ فہرست ابن ندیم جو چوتھی صدی ہجری کی کتاب ہے اس کے مصنف محمد بن اسحاق کے پہلے مقالے میں وادیٔ سندھ کے رسم الخط کے چار نمونے دیے گئے ہیں۔ یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ وادیٔ سندھ کا رسم الخط چوتھی صدی ہجری میں دنیائے عرب کے اندر معروف ومشہور تھا جب کہ مارشل کا دعویٰ ہے کہ اس نے ۱۹۲۰ء میں کھدائی کے بعد اس رسم الخط کی مہریں دریافت کیں۔ لہٰذا ابن ندیم نے مارشل سے آٹھ سو برس قبل اس خط کا ذکر کیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ چوتھی صدی ہجری میں یہ خط مستعمل تھا۔

وادیٔ سندھ کی تہذیب اپنے عہد کی غالب ترین اور طاقتور ترین تہذیب معلوم ہوتی ہے۔ اس تہذیب کی چکا چوند، چمک دمک، ثقافتی اور جمالیاتی کمالات جو مصنوعات کے ذریعے اپنا اظہار کر رہے تھے دنیا کے تمام خطوں تک پہنچے حتیٰ کہ جزیرہ ایسٹر کی لکھائی کی بعض علامتیں اور نشانات D.E. Hevesy کے مطابق وادیٔ سندھ سے ملتے جلتے ہیں۔ جزیرہ ایسٹر وادیٔ سندھ سے ہزاروں میل کے فاصلے پر بحرا لکاہل میں واقع ہے۔ جزیرہ ایسٹر کا رسم الخط ۱۸ ویں صدی کے اختتام تک موجود تھا۔ سوال یہ ہے کہ پانچ ہزار سال قبل مٹ جانے والے سندھ کے رسم الخط کی علامتیں جزیرہ ایسٹر میں کیسے موجود تھیں؟ اس سے بھی اہم ترین سوال یہ ہے کہ چوتھی صدی ہجری کی فہرست ابن ندیم میں وادیٔ سندھ کے رسم الخط کے نمونے زندہ رسم الخط کے طور پر کیسے درج ہوئے؟ پروفیسر ڈاکٹر ایل اے وڈل Waddel نے اپنی کتاب The Indo-Sumerian Seals Decipher (London 1925) میں وادیٔ سندھ کی مہروں کو سومیری رسم الخط ثابت کرنے کی کوشش کی اور وادیٔ سندھ کو سومیری نوآبادی ظاہر کیا۔

وادیٔ سندھ کا رسم الخط ابھی تک طلسم ہوش ربا ہے لیکن مولانا ابوالجلالؒ ندوی نے اس طلسم کو اپنے علم کی کنجی سے کھولنے کی کوشش کی ہے، اس کوشش کا ثمر ان کا تیار کردہ تختہ نقوش ہے۔ اس تختہ نقوش کی مدد سے وادیٔ سندھ کی مہروں کو پڑھا جا سکتا ہے۔ مولانا ندوی کے دعوے کے مطابق انھوں نے اس تختے کی مدد سے چھ سو مہریں پڑھ لیں تھیں لیکن دنیا بھر کے ماہرین آثار قدیمہ عربی اور عبرانی حروف کے ذریعے وادیٔ سندھ کی مہروں کو پڑھنے پر آج بھی آمادہ نہیں ہیں۔